آفتاب شوالک

(۱)

کوہستان ہمالیہ اور شوالک میں علامہ ستکوہی کی تبلیغی سرگرمیاں

تالیف

نذر صابری

ادارہ فروغ تجلیات صابریہ، اٹک

آفتاب شوالک

(ا)

کوہ ہمالیہ اور شوالک میں علامہ ستکوہیؒ کی تبلیغی سرگرمیاں

تالیف

نذر صابری

ادارہ فروغ تجلیات صابریہ، اٹک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضابطہ

کتاب	آفتاب شوالک (۱)
تالیف	نذر صابری
ناشر	ادارہ فروغ تجلیات صابریہ، اٹک
طابع	ادارہ ریاض العلم، اٹک
کمپوزنگ	ابوالفیض کمپوزنگ، اٹک
اشاعت	باراوّل اکتوبر ۲۰۰۷ء
صفحات	۴۰
ہدیہ	

ملنے کا پتہ

کتب خانہ مقبول عام، اٹک

فہرست مشمولات

عذر تقصیرات ما چنداں کہ تقصیرات ما
شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو

گزارش احوال واقعی

کچھ بلبلوں کو یاد ہیں کچھ قمریوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے میری داستاں کے ہیں

(ستکوہی)

علامہ ستکوہی کی داستاں کے یہ ٹکڑے ہزاروں نہیں لاکھوں تک پہنچتے ہیں۔ان کو جمع کرنا تا کہ داستان مکمل ہو جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔پھر بھی کچھ اہل قلم مریدوں نے مقدور بھر اپنی سی کوشش ضرور کی۔آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ''یہ تمام حالات جو مردان خدا اور روحانی لوگوں کے متعلق ہیں اپنی سوانح عمری میں تحریر کروں گا اور مجھے سوانح عمری کی ضرورت اس لئے پڑ گئی ہے کہ میرے حالات زندگی میرے احباب نے پنجاب، ہندوستان، سندھ، کشمیر، بلوچستان اور افغانستان کے بہت شہروں میں تحریر کئے ہیں اور ان میں بہت مبالغے سے کام لیا ہے۔اس لئے میں نے ان حالات کی طباعت کی اجازت کسی کو نہیں دی بلکہ خود اپنے حالات تحریر کئے ہیں وہ عنقریب طبع ہو کر ہدیۂ ناظرین ہوں گے''

(پیغام حق ص ۳۰۴)

اسی عزم کو آپ نے ص ۳۱۵ پر بھی دہرایا ہے مگر لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سوانح حیات سامنے نہیں آئی۔صاحبزادوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔بات آئی گئی ہو گئی۔اب یہ ذمہ داری حافظؒ صاحب پر آن پڑی تھی۔اکتوبر ۱۹۷۴ء میں حریم ادب راولپنڈی میں اس سلسلہ میں بات ہوئی تو انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کا اظہار کر دیا کہ سوانح حیات تو اب مشکل ہے البتہ ملفوظات قلمبند ہو سکیں گے۔اب سارا بوجھ

محی، امین اور اس خاکسار پر آن پڑا اور ادارۂ فروغ تجلیات صابریہ کی خدا کا نام لے کر بنیاد رکھ دی۔ تھوڑی ہی مدت میں محی نے اپنے وسائل کو کام میں لاتے ہوئے شیخ عالم علامہ ستکوہی کے بارے میں کافی حد تک سوانحی مواد فراہم کر لیا۔ اس کو شہر وار ترتیب دیا گیا۔ سرمایہ کی کمی کے باعث ۲۰۰۴ء تک اس جہت میں کوئی قدم اٹھایا نہ جا سکا۔ اگلے سال اس مواد کو کوہستانی اور میدانی دو حصوں میں تقسیم کر کے کوہ ہمالیہ اور کوہ شوالک میں آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کے تذکار کو چھوٹے پیمانہ پر شائع کرنے کا منصوبہ بنایا اور جزو اوّل کو موخر کرتے ہوئے جزو ثانی جو دوسوہہ اور اس کے مضافات پر مشتمل تھا اور آپ کے ایک مرید باصفا مولوی دولت علیؒ کے چشم دید حالات پر مبنی تھا شائع کر دیا۔ اگر جالندھر، گورداسپور، امرت سر، ملتان اور بہاولپور کو بھی کوئی مولوی دولت علیؒ میسر آ جاتے تو کیا ہی اچھا ہوتا مگر ؎

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا مگر بہ تنگی چشم حسود تھا

مولوی دولت علیؒ کی نگارشات کے بعض پہلو تشنگی کا احساس لئے ہوئے ہیں، تاہم انہوں نے کبرسنی میں بھی جو کچھ لکھ دیا ہے اپنی جگہ منفرد شان کا ہے۔

دوسوہہ ہائی سکول کے ہر سالانہ اجلاس میں بقول وقائع نگار علامہ ستکوہیؒ کو بطور خاص مدعو کیا جاتا تھا، ایک سرسری اندازہ کے مطابق کچھ نہیں تو آپ کی کم از کم ۲۰ تقاریر ہوئی ہونگی۔ ان کی کیفیات کے بارے میں وہ بالکل خاموش ہیں۔ اگر وہ ان خطبات کے موضوعات ہی کی ایک فہرست دے دیتے تو بہت مفید ہوتی۔ میرا مشاہدہ ہے اور یہ بڑے کمال فن کی بات ہے کہ علامہ موصوف کی ہر تقریر کو میں نے دگر رنگ دیکھا ہے۔ کسی مضمون کو دہراتے ہوئے نہیں پایا۔

۲۰۰۶ء میں آفتاب شوالک کا جزو ثالث شائع ہوا جو طفیل ناصری کی تالیف ذکر پاکاں سے

ماخوذ ہے۔ یہ کوہستان شوالک میں آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا تذکرہ ہے۔ کتاب چونکہ صاحبزادوں کی نگرانی میں شائع ہوئی ہے لہذا مشمولہ عبارات کے مستند ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

اب جزو اوّل ہمارے قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے شروع میں طریق وصول، ڈلہوزی، سری نگر اور دوسوہہ کے عنوانوں کے تحت اقتباسات حضرت شیخؒ کی اپنی کتاب پیغام حق سے لئے گئے ہیں۔ اگلا مضمون جموں ذکریا کاں سے بچھڑی ہوئی ایک کونج ہے جو اس قطار میں شامل کردی گئی ہے۔ سید عبدالمعبود اور مولانا نواب الدینؒ ایک انٹرویو ہے جو حافظؒ کے قلم زرنگار کی وساطت سے ۲۴ مئی ۷۸ء کے 'نوائے وقت' میں پہلی بار اشاعت پذیر ہوا۔ کاشکہ صاحب خانہ تک دوبارہ رسائی حاصل کی جاتی اور ان سے پورے انٹرویو کی ایک کاپی لے لی جاتی۔ اس سے دونوں بزرگوں کی آواز کا ریکارڈ بھی میسر آجاتا اور ساتھ ہی علامہ سنکوہی کا عربی قصیدہ بھی دستیاب ہوتا۔ متعلقہ افراد کی اس کم کوشی اور سہل انگاری پر افسوس ہوا۔ میں نے اپنے طور پر ملک غلام نبی کا پتہ کرانے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ حافظؒ صاحب نے ہاتھ آیا سنہری موقع ضائع کرکے بہت نقصان پہنچا دیا۔

ہوشیار پور کے زیر عنوان آنے والی آخری دو تحریریں پہلی بار جادۂ اظہار پر آرہی ہیں۔ یہی ندرت ان کو آفتاب شوالک (۱) میں شامل کرنے کا باعث بنی اور اس غلام کو ان ناسفتہ گوہر ہائے تابدار کے زلف تحریر میں پرونے کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ جس پر میں اپنے خدا کا جس قدر بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ آج یہ سلسلہ بظاہر تین اجزا پر ختم ہو رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کل جزو رابع کی بھی کوئی صورت پیدا ہوجائے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

نذر صابری

نکتۂ عرفاں مجو از خاطر آلودگاں
گوہر مقصود را دل ہائے پاک آمد صدف

(جامی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طریق وصول

(علامہ نواب الدین چنکوئی)

"خدا کا قرب قرب مکانی نہیں کیونکہ خدا مکان سے پاک ہے بلکہ خدا کا قرب روحانی ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے آفتاب کو کتنا ہی دور ہے ہر ایک شے کو اس سورج سے حسب استعداد قرب اور بعد ہے گو ہر ایک شے کو اس سورج سے فائدہ اور فیض پہنچ رہا ہے مثلاً جمادات نباتات حیوانات ہر ایک کو سورج کا فیض پہنچ رہا ہے۔ کوئی اس کے فیض سے محروم نہیں مگر صاف آئینہ اور آتشی شیشہ تمام سے نرالے ہیں۔ ان کا تعلق جو سورج سے ہے وہ اینٹ، پتھر، مٹی، سونا، چاندی کا نہیں۔ غرض سورج کا تعلق ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ ہے مگر صاف شیشے اور آتشی شیشے کا تعلق خاص ہے۔ اور چیزیں تو سورج سے خود ہی روشن ہوتی ہیں پر صاف شیشہ خود بھی روشن ہوتا ہے اور اوروں کو بھی روشن کر دیتا ہے اور آتشی شیشہ روشنی کے علاوہ سورج سے حرارت کا فیض بھی حاصل کرتا ہے۔ ایسے ہی تمام مخلوقات کو خدا کا فیض وجود اور دیگر فیوض بھی حاصل ہیں مگر مقرب انسانوں کو علاوہ وجود اور دیگر فیوض کے ایک روشنی اور گرمی کا فیض بھی حاصل ہے جیسے آئینہ جتنا صاف اور جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی فیض آفتاب سے حاصل کرے گا، ایسے ہی جتنا کوئی انسان صاف باطن ہوگا اور گناہ کے زنگ سے مصفا ہوگا اتنا ہی فیض اس کو خدا تعالیٰ سے حاصل ہوگا اور اتنا ہی قرب اس کو حاصل ہوگا اور جیسے آئینہ سورج سے فیض حاصل کر کے اپنے سامنے کے اندھیرے دور کر دیتا ہے ایسے ہی مرد ربانی

جو اپنے باطن کی صفائی کی وجہ سے فیض ربانی سے منور ہے اپنے سامنے آنے والوں
کے باطنوں میں روشنی کر دے گا اور جیسے آئینہ جتنا سورج کے سامنے ہوا تنا ہی روشن
ہوتا ہے ایسے ہی اس کامل اور مقرب الٰہی کے سامنے جتنا کوئی ہوگا اتنی ہی روشنی اس
سے حاصل کرے گا اور جیسے سورج کی روشنی آئینہ میں آتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی ایسے
ہی روحانی انسان کے باطن میں اترتی ہوئی روشنی نظر نہیں آئے گی لیکن جو اس کے
سامنے ہو وہ ضرور منور اور روشن ہو جائے گا اور جیسے آئینے بڑے اور چھوٹے ہوتے ہیں
اور فیض آفتاب بھی ان میں کم وبیش ہوتا ہے پر آفتاب میں فرق نہیں آتا، وہ جوں کا
توں ہی رہتا ہے ایسے ہی فیوضات الٰہی جو صاف دلوں پر روشنی ڈالتے ہیں ان کی وجہ
سے ذات ربانی اور اس کے فیض میں فرق نہیں آتا اور جیسے آئینہ خواہ کتنا ہی صاف ہو
جب تک آفتاب کے سامنے نہ آوے روشنی حاصل نہیں کرتا اور نہ خود روشن ہوتا ہے اور
نہ غیروں کو روشن کرتا ہے ایسے ہی وہ لوگ جو بوجہ مجاہدات اور بوجہ شدائد نفس اور بوجہ
محنت ہائے شاقہ اپنے باطن کو صاف کر لیتے ہیں مگر صراط مستقیم پر نہیں آتے اور اپنا رخ
آفتاب ربانی سے ٹیڑھا رکھتے ہیں وہ فیض الٰہی سے محروم ہی رہتے ہیں خواہ کتنی محنت
اور مجاہدہ کریں مگر ان کو مرتبہ نہیں ملتا جو صراط مستقیم پر چلنے والوں کو ملتا ہے اور جیسے ایک
ذرّہ اور آرسی اور ایک بالشت شیشے اور ایک گز اور ایک فٹ شیشے کے فیض اور روشنی میں
فرق ہے ایسا ہی صاف باطن لوگوں اور روحانی انسانوں کے فیوض اور روشنی میں بھی
فرق ہے ایک ذرّہ جو آفتاب سے خود تو روشن ہے لیکن اپنے مقابل کو روشن نہیں کر سکتا
اور ایک آرسی سورج سے خود تو روشن ہے مگر اپنے مقابل کو روشن نہیں کر سکتی ایسا ہی دس
گز شیشہ جو سورج کے نور سے منور ہے جو اس کے سامنے آوے گا منور ہو جاوے گا اور

اگر کوئی چیز مصفا اور سورج کے مقابل منور شدہ آئینہ کے پیچھے لگی رہے تو منور نہ ہوگی کیونکہ طریقۂ استفادہ تو یہ تھا کہ وہ شے اس منور آئینہ کے سامنے آتی اور اس کا عکس اس پر پڑتا مگر اس نے وہ اختیار نہ کیا لہذا روشنی سے محروم رہ گئی ایسے ہی جو لوگ روحانی اور صاف باطن لوگوں کے خواہ قریبی رشتہ دار ہوں یا ان کے باپ یا بیٹے یا بیویاں ہی ہوں پر طریق استفادۂ مذکور اختیار نہ کریں وہ فیض سے محروم رہ جاتے ہیں جیسا کہ منور آئینہ کے پیچھے یا دائیں بائیں یا نیچے اوپر والی اشیاء اس کے نور سے محروم رہ جاتی ہیں۔نور وہی حاصل کرتے ہیں جو اس منور آئینے کے سامنے آئیں اور جیسے آفتاب تو ہر روز اپنا نور اور روشنی ہر ایک شے کو پہنچا رہا ہے۔اس کے فیض کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے پر فائدہ وہی اٹھاتا ہے جو سامنے آتا ہے اور گرمی اور روشنی اسی کو ملتی ہے جو طلب کرتا ہے اور سامنے آتا ہے ایسے ہی فیض ربانی کا حال ہے اور جیسے ہر ایک شے پر آفتاب کی روشنی اور حرارت تو پڑی ہے مگر جو روشنی اور گرمی مصفا آئینے اور آتشی شیشے کے ذریعے سے پڑتی ہے اس کا فیض اور طرح کا ہوتا ہے دیکھو سیاہ رنگ کے بال سر پر ہیں اور ننگے سر ہر روز ایک آدمی سورج کی دھوپ میں پھرتا ہے پر اگر آتشی شیشے سے ہو کر اور اس کے وسیلہ سے سورج کی روشنی سیاہ بالوں پر پڑے تو آگ لگ جاوے، اگرچہ سیاہ بالوں والا انسان ہر روز سورج کی دھوپ میں پھرتا تھا اور سورج کی روشنی اور دھوپ اس پر ہر روز پڑتی تھی مگر آتشی شیشے کے وسیلے نے بالوں میں آگ لگا دی ایسے ہی وہ لوگ جن کے باطن میں روشنی اور حرارت موجود ہے ان کا یہی حال ہے اگر وہ نظر کرم کریں تو ایک نگاہ میں طالب صادق کا بیڑا پار کر دیں اور تمام عمر کے گناہ جلا کر خاک کر دیں۔اس وقت میرے آنسو جاری ہیں اور میں رو رہا ہوں اور تحریر کر رہا ہوں

مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں نے ایسے روحانی لوگ بہت دیکھے ہیں۔ (پیغام حق، ص۲۹۹ تا ۳۰۲)

ڈلہوزی

ایک دفعہ ڈلہوزی پہاڑ میں مقیم تھا اور میری عادت تھی کہ میں اپنے کھانے سے پہلے کھانا اٹھا کر نزدیک و دور پھرتا کہ کوئی خدا کا بندہ بھوکا ملے تو اس کو کھلاؤں۔ میں ایک پہاڑ کے نیچے جا رہا تھا جب سڑک کی گولائی پر پہنچا تو پہاڑ کے اوپر ایک ضعیف اور نحیف شخص کو دیکھا اور میں اس کو غریب اور عاجز جان کر اس کی طرف بڑھا اور جا کر وہ کھانا اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ مرد خدا کھانا کھا کر خوش ہوا اور میری طرف اس نے نگاہ کی۔ اس نگاہ سے جو میرا حال ہوا وہ میں تحریر نہیں کر سکتا اور میری عمر کے تمام گزشتہ حالات بیان کئے اور میرے تمام خاندان کے حالات بیان کئے اور میرا اس وقت وہ حال ہوا جو بیان نہیں کیا جاتا۔ میں ڈرتا ہوں کہ بعض کم عقل اور ظاہر بین شاید گمراہ نہ ہو جاویں۔ (پیغام حق ص۳۰۲ تا ۳۰۳)

سری نگر

میں حلفاً کہتا ہوں کہ میرے پاس دنیا کا مال روپیہ پیسہ بہت آیا اور میں نے سب خرچ کیا۔ کئی دفعہ جب بہت مال آیا تو اس کو اسی وقت خرچ کر دیا گیا اور لاکھوں روپیہ بندگان خدا کو دیا گیا اور سوائے بدن کے کپڑوں کے اپنے پاس کچھ نہ رکھا۔ اگر میں چاہتا تو تمام ملک کی جائیداد خرید لیتا مگر میں تمام عمر دوسروں کا مقروض رہا اور ہر جگہ یہی ہوا کہ نواب الدین نے اتنا بڑا قرض دینا ہے اور یہ کہ نواب الدین لے کر نہیں دیتا جو لوگ میرے پورے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ

میری زبان میں ہر دو جہان کے خزانے ہیں۔ ہندوستان کے کسی شہر میں جب چاہوں میرے اشاروں پر دولت نثار ہوتی ہے جو میرے منہ سے نکل جائے ذرا دیر نہیں ہوتی اکثر دفعہ لاکھ لاکھ روپیہ جو میرے سامنے آیا میں نے فوراً خرچ کیا اور اپنے لئے سوائے تین کپڑوں کے اور دو روٹیوں کے کچھ جمع نہ کیا اور کوئی زیور یا جائداد یا روپیہ گھر میں نہ رہنے دیا اور کوئی اپنا ذاتی خرچ نہ بڑھایا تو میری اس حالت کو دیکھنے والوں نے مختلف خیال کئے۔ بعض نے مجھے دیوانہ بتایا اور بعض نے کہا کہ یہ اپنا فخر کرتا ہے اور بعض نے تمسخر کی وجہ سے یہ کہا کہ اپنی کمائی نہیں اور جن لوگوں نے اپنی آنکھ سے تو نہ دیکھا مگر میرے قصے میرے معتقدوں سے سنے تو انہوں نے ان قصوں کو فضول اور لایعنی خیال کیا مگر حق یہ ہے کہ یہ تمام قصے حق ہیں کہ میرے پاس بے شمار روپیہ آیا اور میں نے اسی وقت خرچ کیا۔

ایک دفعہ سری نگر شہر جو کشمیر میں ایک مشہور شہر ہے تمام اہل دنیا خصوصاً ہندو صاحبان میرے سامنے روپیہ لالا کر سلام کرتے رہے اور تین مہینے میں جب دو لاکھ روپیہ ہو گیا تو میرے ہمراہیوں نے کہا کہ یہ روپیہ ہے جب شمار کیا تو دو لاکھ تھا وہ روپیہ دیکھ کر اہل مجلس نے کہا کہ وہ مکان جو میراں کدل لال پل کے قریب ہے وہ اور وہ فلاں باغ خرید لیا جاوے۔ سب اہل مجلس نے متفق رائے ہو کر پسند کیا اور یہ رائے پاس ہو گئی اور ادھر دلالوں سے کہہ دیا وہ سودا کرنے لگ گئے اور محمد اکبر نواب زادہ ایم اے میرے خاص معتقدوں میں سے میرے ہمراہ تھا اس نے سوال کیا حضرت مسلمان کسے کہتے ہیں؟ میں نے کہا جو سوائے خدا کے کسی غیر کی طرف توجہ نہ کرے اور ہر شے سے سوائے خدا کے بے غرض رہے محمد اکبر نے ہنس کر کہا کہ یہ ایک ہفتہ سے کیا ہو رہا ہے۔ میں نے کہا کیا؟ تو محمد اکبر نے کہا یہ مکان اور باغ اور زمین خریدی جا رہی ہے اور دلالوں کی خدمت ہو رہی ہے۔ میں نے کہا میں تو نہیں خریدتا۔ مجلس والے ہنس

پڑے اور وہ سب روپیہ ایک مہینے میں وہیں خرچ ہوا اور ایک ماہ کے بعد جب میں گھر آیا تو فقط خدا کا نام تھا۔

ایسے ایسے قصے ہندوستان پنجاب سندھ بلوچستان کے تمام شہروں میں بہت ہوئے ہیں کہ بے تعداد روپیہ جمع ہوا اور خرچ ہوا اور زمین اور مکان اور باغ وغیرہ خریدنے لگے اور جب دل چاہا چل دیئے۔ میری اس حالت کو اکثر دیوانگی پر محمول کیا گیا لیکن اصل راز کو کوئی نہ سمجھا اور یہ تمام قصے میں اپنی سوانح عمری میں تحریر کروں گا اور میری صحبت میں رہنے والے لوگ مجھ سے خوب واقف ہیں کہ میں نے دولت کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور اپنی زندگی کس طرح گزاری۔ بعض گاؤں کے رہنے والے لوگ جب میرے ساتھ کسی شہر میں آئے اور انہوں نے میرے حالات شہروں میں دیکھے تو حیران ہوئے اور بعض ارادت مندوں نے حیرانی سے سوال کئے کہ یہ کیا حالت ہے اور میرے شہر والوں نے طرح طرح کے لقب میرے لئے تجویز کئے اور بعض میری صحبت میں رہنے والے حیران ہوئے کہ یہ بے پرواہی اور استغناء!۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری مستی اور بے خودی اور نشہ وہ ہے جو میں ایک آہ کروں تو دنیا میں حشر برپا ہو جاوے۔ میں اپنی موت وحیات، عزت وذلت سے آگے گزر گیا ہوں اور جو لوگ شب وروز میرے ہمراہ رہ کر تجربہ کر چکے ہیں وہ تو خوب جانتے ہیں اور جو کرنا چاہیں وہ بچشم خود تجربہ کریں اور قدرت حق کا تماشا دیکھیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ اس لئے کہ محمد ﷺ کی تعلیم نے مجھے ایسا مست و بے خود بنا دیا ہے کہ میں تحریر نہیں کرتا۔ اسلام ایک ایسے مرتبے تک انسان کو پہنچاتا ہے کہ جس پر وہ حالت وارد ہو وہی جانے۔

میرے حالات زندگی جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں وہ خود

جانتے ہیں یہ سب برکت رسول کریم ﷺ کی تعلیم کی ہے کہ وہ ایک ایسی مستی اور بے خودی کا جام ہے جو پیئے وہ جانے۔ میں نے جو جو کچھ اپنی عمر میں کیا وہ سب کا سب تعجب خیز تھا اور وہ سب ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں تحریر ہوگا۔

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور زندگی کا پیغام ہے اور زندگی اسلام کی ابتداء وانتہاء ہے اور کیا ہی خوب قول ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

میں اس حالت کو روحانیت کا مقام تحریر کرتے وقت شرح وبسط سے تحریر کروں گا اور جو شخص یہ تماشا دیکھنا چاہے وہ میرے پاس رہ کر تماشا دیکھے کہ میں نے اتنی دنیا کی سیر کی اور اتنی دولت اور مال آیا اور چلا گیا اور کیا کیا تجربے اور مشاہدے میرے پاس رہنے والوں نے دیکھے۔ (پیغام حق، ص ۳۱۴ تا ۳۱۷)

مراد پور (دوسوہہ)

ایک طالب صادق موضع مراد پور گاد ریاں متصل قصبہ مکیریاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور علاقۂ پنجاب نے میرے ہاتھ پر بیعت کی اور چند ایام ہی میری صحبت میں رہا۔ وہ قوم کا اعوان تھا جس قوم کے حضرت سلطان العارفین سلطان باہو صاحب قطب الاقطاب فرد الافراد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ایک روز مجھ سے پوچھنے لگا ''روحانی انسان

سے کس طرح فیض حاصل ہوتا ہے؟'' میں نے کہا انسانِ روحانی کے سامنے انسان عقل و دین، دنیا، جان، مال، اولاد سب کچھ قربان کردے تو اس طالب صادق مسمیٰ غلام رسول نے کھڑے ہو کر کہا میں طالب صادق ہوں! میں نے آپ پر سب کچھ نثار کر دیا ہے۔ جو لوگ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے اسے نہایت ہی ملامت کی اور کہا یہ باتیں سب زبانی ہیں۔ غلام رسول نے کہا ''نہیں بلکہ یہ سب کچھ عین حال ہے، میں زمیندار کا بیٹا ہوں اور انگریزی تعلیم یافتہ ہوں، صاحب جائداد ہوں، بالغ ہوں اور خود مختار ہوں۔ میرا سب کچھ آپ پر نثار ہے۔'' ہر روز آ کھڑا ہوتا اور یہی کہتا اور عوام لوگ اسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثال دیتے اور وہ کھڑا ہو کر کہتا ''میری ایک ہمشیرہ ہے۔ آپ اس سے نکاح کر لیں اور سنت پوری ہو جاوے اور تمام جائداد حضور کی ہے۔'' اور لوگ ہنستے اور اسے دیوانہ کہتے اور ہر روز مجلس میں بہت لوگ ہوتے اور یہی ذکر رہتا۔ آخر موضع خلجیاں متصل میانی افغاناں تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور پنجاب میں وہ اپنی ہمشیرہ کو لے آیا اور میرے ساتھ نکاح کر دیا۔ بعد اس کی والدہ نے آ کر بہت شور مچایا اور وہ والدہ کو قتل کرنے پر آمادہ ہوا، میں نے اسے کہا کہ والدہ کے قدم پکڑ کر معافی مانگو اور ان کو راضی کرو، اس نے کہا ''والدہ کہتی ہے میری لڑکی کو طلاق دے دو۔'' میں نے طلاق دے دی اور اس کی والدہ کو روانہ کر دیا۔ غلام رسول نے کہا ''میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیں'' اس وقت مجھے جوش آیا اور جو کچھ ہوا وہ اہل مجلس نے بچشم خود دیکھا اور غلام رسول کی زبان سے لوگوں نے سنا۔ میں بہاولپور ریاست میں تھا۔ وہ اجازت لے کر گھر گیا اور میں نے کہا والدہ کے سامنے نہ بولنا۔ والدہ کا حق بہت بڑا ہے۔ جان

دے دینا مگر والدہ کی نافرمانی نہ کرنا۔شاید اس کی والدہ نے میرے حق میں کچھ سخت الفاظ کہے ہوں گے۔ وہ جان بحق ہو گیا مگر میری توہین نہ سن سکا۔مولوی دولت علی صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ فوت ہو گیا ہے اور اس طالب صادق کی حالت جن لوگوں نے دیکھی ہے ان سے پوچھنا چاہیے۔میرے ہمراہ اس نے بہت سفر کیا۔ جہاں وہ جاتا لوگ اس کی حالت دیکھ کر حیران رہتے اور کئی دفعہ رسول کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا اور ہر وقت مست الست اور بے خود رہتا۔ایسے ہی چند طالبان صادق میرے پاس رہ کر مست الست ہوئے۔

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ اسلام ایک زندگی کا پیغام ہے اور زندہ مذہب ہے اور اس کا آغاز وانجام زندگی ہے۔ (پیغام حق، ص ۳۱۷ تا ۳۱۸)

☆☆☆

کاغان، ہنزہ، بشام

کوئی دس پندرہ سال اِدھر کی بات ہے کہ میرے ایک دوست حاجی اللہ دتہ صاحب نے میلسی سے لکھا کہ سید عبدالمعبود شاہ صاحب ایک بہت پرانے بزرگ ہیں، جن کی عمر سوا سو سال سے بھی زائد بیان کی جاتی ہے۔ یہ ساٹھ سے زیادہ حج کر چکے ہیں۔ کہیں ان کا سراغ مل جائے تو اطلاع دیجئے، میں ان کا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔ میرے لئے یہ نام نیا تھا لیکن یہ بات سن کر میرے دل میں بھی موصوف کی زیارت کی خواہش پیدا ہوئی۔ آسٹریلیا مسجد لاہور والے خواجہ ارشد صاحب ایک دن ملے تو ان کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ بزرگ حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی کے خلیفہ ہیں۔ یہ بات میرے لئے اور بھی حیران کن تھی۔ چنانچہ میرا تجسس بڑھ گیا تا آنکہ یکم مئی کو خواجہ ارشد صاحب شام کے وقت میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے بتایا کہ سید عبدالمعبود شاہ صاحب جیلانی اس وقت اسلام آباد میں مقیم ہیں۔ یہ سن کر بے حد مسرت ہوئی اور ہم دونوں حاجی صاحب کی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔

اس وقت حاجی صاحب وہاں موجود نہ تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک کار دروازے پر آ کر رکی اور اس کے اندر سے کچھ لوگوں نے نکل کر ایک خضر صورت بزرگ کو سہارا دے کر باہر نکالا۔ یہ عربی لباس میں ملبوس تھے اور کمر جھکی ہوئی تھی۔ جو

لوگ حاجی صاحب کے انتظار میں تھے انہوں نے والہانہ انداز میں آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ بعد میں موصوف سے میں ملا۔ مجھے ایک برادرزادہ کے ذریعہ سے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت حاجی صاحب کے میرے والد صاحب سے بڑے گہرے مراسم تھے اوران دونوں بزرگوں نے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں بڑے طول وطویل سفر کئے ہیں۔ میں نے ہاتھ ملاتے ہی کہا کہ حضرت! میں مولانا نواب الدین مرحوم کا بڑا بیٹا ہوں۔ والد صاحب کا نام سنتے ہی حضرت نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ دیں اور بڑے سکون آمیز لہجے میں فرمایا کہ ''الحمدللہ! کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نشانی کو دیکھا ہے''۔

جب حضرت کو اندر لے جا کر صوفے پر بٹھایا گیا تو آپ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ ''آپ میرے پاس بیٹھیں''۔ حضرت سے میرا پہلا سوال یہ تھا کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ کسی تامل کے بغیر فرمانے لگے کہ اس وقت ایک سو اکیاون سال ہوگئی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی کا ذکر چھڑا تو فرمانے لگے کہ حاجی صاحب سے میری عمر سترہ سال زیادہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت آپ نے کتنے حج کئے ہیں؟ فرمایا کہ اسّی حج کر چکا ہوں۔ تیرہ حج میں نے پیدل کئے۔

حضرت اقدس کے لئے اپنا مجموعۂ نعت ''جلوہ گاہ'' میں ساتھ لے گیا تھا۔ یہ پیش کیا تو بے تکان پڑھنے لگے اور فرمایا کہ یہ بہترین تحفہ ہے جو آپ نے مجھے دیا ہے۔ کچھ تحسینی کلمات بھی فرمائے۔

میں نے پوچھا کہ حضرت! آپ کا یہ سفر کتنی مدت جاری رہا؟ فرمانے لگے کہ ''ایک سال تک''! میں نے پھر سوال کیا کہ ''حضرت! آپ گلگت سے حج کے لئے کیسے جاتے ہیں۔'' جواباً فرمایا کہ عہد خلافت میں سلطان عبدالحمید نے میرا وظیفہ مقرر

کر رکھا تھا۔ خلافت ختم ہوئی اور سعودی حکومت ظہور میں آئی تو سلطان عبدالعزیز نے میرے تاحیات حج کا ذمہ لے لیا۔ یہاں پہنچ کر حضرت کچھ مسکرائے اور میری طرف بغور دیکھنے کے بعد فرمایا کہ ابتداء میں سعودی حکومت کو میرے متعلق کچھ غلط فہمیاں تھیں لیکن جب سلطان عبدالعزیز سے ملاقات ہوئی تو یہ غلط فہمیاں دور ہو گئیں اور انہوں نے مجھے اس انعام سے نوازا۔ حضرت اقدس کا عربی قصیدہ سن کر مجھے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ تو ہو چکا تھا۔ اسی ضمن میں حضرت نے ایک اور بات فرمائی جو کہ علم نحو میں ید طولیٰ کی دلیل تھی اور وہ بات یہ تھی کہ ایک دفعہ میں اور آپ کے والد ماجد شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گوٹوی سے ملنے گئے۔ وہاں علماء کا اجتماع تھا اور زیر بحث یہ عبارت تھی ''القاء فی الشقاء خیر من اللہ ورسولہ''۔ شیخ الجامعہ نے آپ کے والد ماجد کو دیکھ کر کہا کہ اس کا جواب مولانا نواب الدین صاحب دیں گے۔ آپ کے والد نے برجستہ فرمایا کہ یہاں ''من'' قسمیہ ہے۔ یہ فرمانے کے بعد حضرت نے ''من'' کی اقسام پر فاضلانہ گفتگو کی۔

میں نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے کوئی کتاب بھی لکھی ہے؟ فرمایا کہ کتابیں تو عربی فارسی میں بہت لکھی ہیں لیکن ''قاب قوسین'' میری روداد حیات کا ایک زرّیں باب ہے اور جس تصنیف پر میری زبان شکر ادا نہیں کر سکتی وہ میری بے نقط تفسیر قرآن ہے جو میں نے عربی زبان میں لکھی ہے۔ بے نقط تفسیر قرآن کے الفاظ سن کر میرے ذہن میں دربار اکبری کے فیضی کا نام گھومنے لگا اور ساتھ ہی یہ احساس بھی ابھرا کہ فیضی کی بے نقط تفسیر کو اکبر نے شائع کر دیا تھا جو آج تک علمی و ادبی دنیا میں ایک شہکار کی حیثیت رکھتی ہے لیکن سیّد عبدالمعبود کی بے نقط تفسیر کو کون شائع

کرے گا؟ آج علم کا قدردان کون ہے؟ ہمارا ملکی سرمایہ اللوں تللوں اور ثقافتی وفود پر ضائع ہورہا ہے۔ یہاں عبدالمعبود شاہ صاحب کی بے نقط تفسیر کو پوچھنے والا کون ہے؟

ع مرادر دور بے سوز آفریدند

حضرت سے میری گفتگو طویل سے طویل تر ہوتی جارہی تھی اور دل میں یہ احساس بھی بڑی شدت سے ابھر رہا تھا کہ سارا وقت تو میں نے لے لیا ہے آخر دوسروں کا بھی کوئی حق ہے۔ میں نے ذرا خاموشی اختیار کی تو حاضرین میں سے ایک صاحب بولے کہ حضرت! آپ نے انگریزوں کی آمد کا زمانہ دیکھا ہوگا؟ فرمایا خوب دیکھا ہے۔ یہ عہد بڑی مصیبتوں کا عہد تھا۔

بہرحال یہ مجھے خوشی ہے کہ حضرت کی اور میری گفتگو صاحب خانہ ملک غلام نبی نے ٹیپ کرلی۔ ان میں والد صاحب کے دو غیر مطبوعہ قصیدے بھی ہیں ایک اردو اور ایک عربی اور پھر میری طرف مخاطب ہوکر فرمانے لگے کہ "لیجئے! اب میں آپ کو آپ کے والد ماجد کا کلام سنا رہا ہوں" اور کسی توقف کے بغیر ایک طویل عربی قصیدہ سنانا شروع کردیا۔ اس سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ والد صاحب عربی زبان کے بھی بلند پایہ شاعر تھے۔ پھر ایک اپنا قصیدہ سنایا۔ یہ دونوں قصائد تیس تیس شعروں سے کیا کم ہوں گے۔ میں حضرت کا یہ حافظہ دیکھ کر حیران ہوگیا اور یہ خیال بھی گزرنے لگا کہ والد ماجد نے تقریباً ایک صدی پیشتر یہ قصیدہ لکھا ہوگا جو حضرت کو ازبر ہے۔ یہاں سے حضرت کے والد صاحب سے قلبی روابط کا اندازہ بھی ہوتا تھا۔ شائد حضرت نے میری اس قلبی کیفیت کو بھانپ لیا تھا، فوراً مخاطب ہوکر فرمانے لگے کہ "میں مولانا کے لئے تین عمرے کرچکا ہوں"۔ میں نے پوچھا کہ حضرت آپ کی والد صاحب سے کب

ملاقات ہوئی تھی۔فرمانے لگے ''ملاقاتیں تو بہت ہوئی ہیں اور تبلیغی دورے بھی ہم دونوں نے بہت کیئے ہیں لیکن پہلی بار ملاقات جب ہوئی اس وقت مولانا کی شادی ہو چکی تھی اور ان کے گھر ایک لڑکی بھی پیدا ہو چکی تھی۔اس عہد میں ہم نے طویل سفر کیا تھا۔میں نے پوچھا کہ یہ سفر کس طرف کا تھا؟ فرمانے لگے کہ ''اس عہد میں ذرائع آمد ورفت نہ تھے۔راولپنڈی سے پیدل چل کر ہم دونوں ایبٹ آباد پہنچے اور پھر وہاں سے وادی کاغان ریاست سوات سے ہوتے ہوئے ہنزہ پہنچ گئے۔''میں نے پوچھا کہ اس سفر میں آپ کے پاس کچھ سامان بھی تھا؟ فرمایا: ''نہیں۔صرف ایک ایک گرم چادر تھی''۔مجھے یہ داستان ایک الف لیلوی داستان معلوم ہو رہی تھی چنانچہ میں نے حیرت سے پوچھا کہ زادسفر کے بغیر آپ نے یہ سفر کیسے طے کیا؟ خورد ونوش کا کیا انتظام تھا؟ فرمایا: ''الحمدللہ! ہم دونوں متوکل تھے اور کوئی تکلیف پیش نہ آئی''۔میں نے پھر سوال کیا کہ ان پہاڑوں اور جنگلوں میں اور دشوار گزار راستوں میں درندوں اور رہزنوں سے تو سابقہ نہیں پڑا؟ یہ سوال سن کر مسکرائے اور فرمایا ''راستے میں ایسی چیزیں ملتی تھیں تو وہ ہمارے تابع ہو جاتی تھیں''۔

حضرت سے گفتگو کرتے وقت مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ یہ شخص آیات الٰہیہ میں سے ہے جسے قدرت نے اپنی نشانی کے طور پر زندہ رکھ چھوڑا ہے۔میں نے یہ بھی پوچھا کہ ہنزہ سے آپ کی واپسی کس طرف سے ہوئی تھی؟ فرمانے لگے کہ ''ہم بھشام کے پہاڑوں کے راستے آئے تھے''۔

اس وقت میرے ذہن میں یہ سوال ابھر رہا تھا کہ اس متمدن دور میں جب کہ فاصلے سمٹ گئے ہیں اور سائنس کی ایجادات نے سفر کی صعوبتوں کو ختم کر کے رکھ

دیا ہے کیا کوئی مبلغ اسلام ایسا ہے جس نے تبلیغ اسلام کی خاطر ان دشوار گزار وادیوں اور پہاڑوں کا سفر کیا ہو؟ اور وہ بھی اتنا طول وطویل ۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں علامہ اقبال کا یہ مصرع آ گیا

ع فغاں کہ تخت و مصلیٰ کمال زرّاقی

(ماخذ: نوائے وقت، ۲۴ مئی ۱۹۷۸ء/ ذکر پاکاں ۱۹۸۰ء)

جموں و کشمیر

(از حافظ مظہر الدین)

غالباً ۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے کہ مرزائیوں نے ریاست جموں وکشمیر کو اپنی تخریبی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنالیا تھا۔ چنانچہ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ نے اس فتنے کے سد باب کے لئے جموں میں ایک تبلیغی کانفرنس منعقد کی اور مشاہیر اسلام کو دعوت نامے بھیجے۔ ان میں والد صاحب کا نام بھی تھا۔ یہ وہ عہد تھا کہ جب والد صاحب اپنے آبائی وطن رمداس ضلع امرتسر میں تشریف لا چکے تھے۔ اس وقت ہمارا عظیم الشان مکان زیر تعمیر تھا اور والد صاحب کی ساری توجہ مکان کی تعمیر پر مرکوز تھی۔ اسی دوران میں حضرت امیر ملت کا دعوت نامہ آ گیا اور والد صاحب تمام کام چھوڑ کر جموں روانہ ہوگئے۔ روانگی کے وقت مجھے خطاب کر کے فرمایا کہ تم بھی چلو گے؟ لیکن اس وقت عہد طفولیت میں میری تمام تر توجہ اپنے کبوتروں پر مرکوز تھی۔ میں نے جواب دینے میں تامل کیا تو مسکرا کر فرمانے لگے کہ تیرے کبوتروں کی حفاظت کے لئے خاص آدمی

مقرر کر دیتا ہوں ۔ جموں میں، میں مرزائیوں کو جو پٹخنیاں دوں گا وہ تیرے کبوتروں کی قلابازیوں سے بہتر ہوں گی ۔ مزہ نہ آیا تو کسی کے ساتھ بھیج دوں گا۔ یہ سن کر میں ہنس پڑا اور ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

کانفرنس میں زیادہ تر والد ماجد کی تقریریں ہوتی تھیں ۔اس معرکے سے خوش ہو کر حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ والد صاحب کو اپنے ساتھ علی پور لے گئے ۔علی پور میں والد صاحب کا قیام طویل تر ہوتا گیا۔ ہر روز رات کو والد صاحب کی تقریر ہوتی تھی اور سارا دن علمی و عرفانی باتوں میں گزرتا تھا۔ ایک بچے کے لئے ایسے ماحول میں زیادہ تر ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے۔

کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ مرزائیوں نے حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب، مولانا دیدار علی شاہ صاحب اور والد صاحب کا جموں و کشمیر میں داخلہ قانوناً رکوا دیا۔اس سے عوام نے اور بھی خوشگوار اثر لیا۔وہ سمجھنے لگے کہ مرزائی مسلمان علماء کی تاب نہیں لا سکتے۔

(ضیائے حرم: ختم نبوت نمبر)

☆☆☆

ہوشیار پور

(راوی: حاجی عبدالعزیز مرحوم)

۲۱ راگست ۱۹۶۹ء بروز جمعرات تسنیم فاطمہ (بیٹی) کی پیٹی کی کچھ رقم ادا کرنے گیا۔ حاجی صاحب ہی دکان پر تھے۔ انہوں نے چاء کے لئے بٹھالیا۔ دوران گفتگو معلوم ہوا کہ وہ پچھلے دو ماہ سخت بیمار رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے ان کو تبدیلیٔ آب وہوا کے لئے مری جانے کا مشورہ دیا۔ مری پوائنٹ پر کسی ہوٹل میں انہوں نے رہائش اختیار کی۔ مشکل سے ایک ہفتہ رہے ہوں گے کہ بارش ہوئی اور ان کی تکلیف بڑھ گئی اور وہ ناچار کیمبل پور چلے آئے۔ مری پوائنٹ کی بڑی تعریف کر رہے تھے۔ کہ اس سے بڑھ کر میں نے کوئی منظر حسین نہیں دیکھا اور بارش میں تو پھر اس کا جوبن اپنی معراج کو پہنچ جاتا ہے۔

یہاں سے گفتگو کا رخ قبلۂ عالم خواجہ رمداس نور اللہ مرقدہ کی جانب پھر گیا۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ وہ شیر تھے اور اسی لقب سے وہ اپنے حلقوں میں یاد کئے جاتے تھے۔ میں نے ان کو اپنے ہوشیار پور کے قیام میں متعدد بار مجلس وعظ اور

میدان مناظرہ میں دیکھا ہے اور دونوں میدانوں میں نرالی سج دھج اور انوکھے بانکپن کے ساتھ پایا ہے۔ میں نے کوئی عالم ان کی شان کا نہیں دیکھا۔ ان پر تین دور گزرے ہیں اور میں نے ان کو ان تینوں ادوار میں دیکھا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ان کے ساتھ درجنوں کتے ہوتے تھے جدھر جاتے تھے یہ قافلہ ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ ہر کتا کسی نہ کسی باریش معتقد نے پکڑا ہوتا تھا۔ سر کے بال بڑھے ہوئے ہوتے تھے اور یہی حال داڑھی مونچھ اور ناخنوں کا ہوتا تھا۔ اور اس ہیئت کذائی میں بھی اگر کوئی مخالف للکارتا تو ڈٹ جاتے تھے۔ اور ایک ہی جھپٹ میں مدّ مقابل کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیتے تھے۔

انہوں نے مزید فرمایا کہ ہوشیار پور میں دیوبندیوں کا بڑا زور تھا۔ ایک مولانا احمد علی؟ تازہ دیوبند سے فارغ ہو کر آئے تھے۔ چونکہ تازہ دم تھے بڑی شدّ و مد سے اپنے مسلک کی تبلیغ میں لگے ہوئے تھے۔ انہی دنوں آپ کا ہوشیار پور آنا ہوا۔ جذب کا وہی عالم تھا۔ دیوبندیوں کی چیرہ دستیوں کا سنا تو آپ کے ایماء پر ایک مجلس وعظ آراستہ کی گئی اور گیارھویں شریف کے موضوع پر آپ نے تقریر فرمائی۔ دو تین گھنٹے کی اس تقریر کے بعد آپ نے حاضرین میں سے غیر مطمئن افراد کو سوال کی دعوت دی۔ ایک رقعہ آیا۔ آپ نے صاحب رقعہ کو سامنے آنے کو کہا۔ وہ وہی مولوی احمد علی؟ تھے۔ انہوں نے آپ سے گیارھویں شریف کے جواز میں قرآن کریم سے دلیل طلب کی تھی۔ وہ اپنا جواب پا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد آپ نے سگرٹ لگا کر پینا شروع کر دیا اور اس کے بعد ایک سگرٹ اور پیا۔ یہ ایک ایسی ادا تھی جس پر اعتراض کا پیدا ہونا یقینی تھا۔ آپ نے جب بار دگر حاضرین کو اور سوال کی دعوت دی تو یہی سگرٹ پر اعتراض اٹھایا گیا اور قرآن ہی سے اس کی دلیل بھی مانگی گئی۔ آپ نے عجب قلندرانہ

شان سے ایک اور سگرٹ سلگایا اور اس کو ختم کر کے سائل کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ سوال بھی مولانا احمد علی ہی کی جانب سے تھا۔ آپ نے اس اعتراض کے جواب میں قرآن کریم کی تین آیات پیش کیں۔ وہ خاموش ہو گئے۔ اب آپ نے مولانا احمد علی سے پوچھا کہ میں بھی آپ کی وسعت علمی کو پرکھنا چاہتا ہوں اگر آپ چاہیں تو اردو میں سوال کروں۔ چاہیں تو عربی میں۔ انہوں نے عربی میں گفتگو کو پسند کیا۔ آپ کے سوال کے لئے انہوں نے 24 گھنٹے کی مہلت مانگی۔ آپ نے فرمایا: میں ایک ماہ تک یہیں ہوں۔ اس دوران میں آپ جب چاہیں جواب دیں لیکن میرے یہاں سے چلے جانے کے بعد اخلاقی طور پر آپ کو کسی قسم کی چہ میگوئیاں کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

حاجی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ گیارھویں شریف اور سگرٹ کے حق میں آپ نے کون سی آیات بطور دلیل کے پیش کی تھیں اور یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ وہ کون سا سوال تھا جس کا جواب مولوی احمد علی سے بن نہیں پڑا۔ اس عمر میں اس قدر یاد رہ جانا بھی ان کے عظیم حافظے اور منظر کے غیر معمولی پن کی دلیل ہے۔ حاجی صاحب نے بتایا کہ اس مجلس وعظ میں کوئی دس بارہ ہزار سامعین ہوں گے۔ گردونواح کی بستیوں سے بھی لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ کوئی لاؤڈ سپیکر نہ تھا۔ آواز آپ کی ایک میل تک جاتی تھی۔ انہوں نے فرمایا: مولانا ولی محمد جالندھری کی آواز آپ کی آواز سے بھی بلند تھی اور ان دونوں بزرگوں کے انداز میں خاصی یکسانیت پائی جاتی تھی اور ان دونوں سے بڑھ کر فن تقریر اور مناظرہ میں مجھے کوئی اور نظر نہیں آیا۔ مولانا انوار الحق مدظلہ کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ جید عالم ہیں مگر مولانا نواب الدینؒ ان سے بھی دس گنا ہوں گے۔ کوئی ان کے زور دلائل کے روبرو ٹھہر نہیں سکتا تھا اور پھر خدا نے ان کو جسمانی طاقت میں بھی خوب ہی

نوازا تھا۔ان کا عصا اور اس کے معجزات بھی کچھ کم نہ تھے۔

ہوشیار پور ہی میں محمدی بیگم کے نکاح پر اپنی نبوت کی اَساس رکھنے والا پاگل انسان آپ کے مقابل ہوا۔حاجی صاحب اس مناظرہ کے عینی شاہد ہیں۔آج وہ تھک گئے تھے۔انہوں نے اگلے روز اس مناظرہ کی روئیدادِ سنانے کا وعدہ کیا۔آج انہوں نے اس سلسلہ میں صرف اس قدر فرمایا کہ تمہارے قبلہ عالم بَرَّدَ اللّٰہُ مَضْجَعَہ قادیانیوں کے مقابلہ میں اِستہزاً فرمایا کرتے تھے کہ میں قادیانیوں کا داماد ہوں۔

ع سلسلہ روز و شب، نقش گر حادثات

اس کے اگلے ہی روز وہ پھر اسی مرض کہن میں مبتلا ہو گئے اور مدت دراز تک منظر سے اوجھل رہے۔۲۵؍اکتوبر ۱۹۷۱ء کی صبح کالج کو جا رہا تھا کہ اچانک اُن پر نظر پڑی۔اپنی دکان کی سمت قدم بڑھا رہے تھے۔۲۷؍اکتوبر کی صبح ان کی زندگی کی شام ہو گئی۔اس ۲۶ ماہ کی مدت میں فلک کج رفتار نے اتنی بھی مہلت نہ دی کہ وہ ادھوری چھوڑی ہوئی داستان کو مکمل کر سکتے۔قبلۂ عالم کی اتنی ہی یادیں اپنے سینۂ بے کینہ میں لیے اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

☆☆☆

ہوشیار پور

اکتوبر ۱۹۴۴ء میں آپ نے محلہ کرار خان (جالندھر) میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا۔ تقریر کا موضوع پیری مریدی کا قرآن کریم سے اِثبات تھا۔ آپ کرسی پر پاؤں سمیٹے بیٹھے تھے اور قرآن کریم آپ کے ہاتھ میں تھا۔ اڑھائی تین گھنٹے کی اس تقریر کے کچھ تأثرات کا ذکر برادرِ طریقت خان محی الدین فیصل آبادی نے پیغام حق طبع ثانی میں تحریر کر دیا تھا۔ تقریر کے بعد آپ مولوی دوست محمد قریشی ناظم جلسہ کی بیٹھک میں تشریف لے گئے۔ کچھ اور لوگ بھی ساتھ تھے۔ میں بھی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے روبرو بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بیعت کے بعد یہ میری پہلی حاضری تھی۔ باتیں ہو رہی تھیں۔ پھر میری جانب روئے سخن کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ اسلامیہ ہائی سکول ہوشیار پور میں ایک جلسہ میں مدعو تھا، ہندوستان بھر سے علماء و مشائخ آئے ہوئے تھے۔ مجھ سے پہلے مولانا

شبیر احمد عثمانی کی تقریر تھی۔ وہ سٹیج سے اُتر کر جانے لگے تو سیکرٹری نے یہ کہہ کر ٹھہرا لیا کہ آپ کے بعد اب جو صاحب آ رہے ہیں اُن کو سن کر جایئے گا۔ میں تقریر کر کے نیچے اُترا تو والہانہ مجھ سے لپٹ گئے۔ بہت خوش تھے۔

مردانِ حق کی گفتگو بے ربط نہیں ہوتی۔ مجلس میں موجود کسی نہ کسی کے حسبِ حال ہوتی ہے۔ ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔ شاید حاضرین میں سے کسی کے دل میں کوئی تقابل کی فضا ہو میری لوحِ دل اِس قسم کے کسی نقش سے سادہ تھی۔ یہ بھی ممکن ہے بلکہ اَغلب کہ اس تقریر کا ہوشیار پور والی تقریر سے موضوع اور اندازِ بیان کے اعتبار سے کوئی گہرا تعلق ہو۔ آج ۶۳ سال کے بعد حضرتِ شیخ کے اس اِرشاد کو نوکِ قلم پر لا رہا ہوں۔ یہ اس امر کا بھی نشان ہے کہ آپ کی تبلیغی سرگرمیاں کس درجہ پر تھیں اور آپ شہرت کے کس مقام پر پہنچ چکے تھے۔

☆☆☆

اشاریہ

اِشاریہ

(رجال واماکن)

اللہ دتہ حاجی 10 حافظ مظہر الدین کا ایک عقیدت مند، میلسی (ضلع وہاڑی)

کا رہنے والا۔ سید عبدالمعبود کا شناسا۔

امداداللہ مہاجر مکی، حاجی [م1899ء] 10، 11

خواجہ نور محمد جھنجانوی سے منسلک سلسلہ صابریہ کی شاخ کے عظیم المرتبہ بزرگ، تحریک آزادی ہند 1857ء کے سرکردہ رہنما، ہندوستان کی فضا کو پرفتن پا کر حرم شریف چلے گئے اور بقیہ زندگی وہیں گزاری۔ مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، حافظ محمد حسین الہ آبادی اور مولانا اشرف علی تھانوی ایسے بزرگ انہی کے حلقہ بگوش اور خلیفہ ہیں۔ مولد: تھانہ بھون۔

انوارالحق، مولانا 19 ضلع اٹک کے ہندوستان گیر شہرت کے دارا، مولانا غلام جیلانی شمس آبادی کے خلف الرشید، مولانا زاہد الحسینی کے بڑے بھائی، مدرسہ فتح پوری دہلی کے فارغ التحصیل، گورنمنٹ کالج اٹک سے ایف اے اور گارڈن کالج پنڈی سے بی اے کیا۔ تقسیم ملک سے قبل ریاست جوناگڈھ کے قاضی القضاۃ تھے۔ پھر اٹک کی جامع حنفیہ کے مدت دراز تک خطیب رہے۔ افریقہ میں نیروبی، جوہنسبرگ اور گولڈ کوسٹ میں ان کے معتقدین کی خاصی تعداد موجود تھی۔ ۱۱ دسمبر 1981ء میں واصل بحق ہوئے اور نئے قبرستان میں انوار حق کو سپرد خاک کیا گیا۔ جید عالم دین، کئی انگریزی اور اردو کتابوں کے مصنف جن میں انوارالقرآن (تفسیر سورۂ فاتحہ) زیادہ مشہور ہے۔

ایبٹ آباد 14 شمال مغربی سرحدی صوبہ کا ایک مشہور شہر، راولپنڈی سے ۶۳ میل جانب شمال، آبادی ۱۰۱۶۳ (1941ء)، بلندی 4120 فٹ اہم فوجی چھاؤنی، ایک سینی ٹوریم بھی ہے۔ موسم گرما کا پرفضا اور صحت افزا مقام۔

باہو، سلطان 7 پنجاب میں سلسلۂ قادریہ کے مشہور بزرگ، توحید کے موضوع پر عربی و فارسی میں متعدد کتب و رسائل کے مصنف اور پنجابی زبان کے بلند پایہ شاعر، شورکوٹ میں پیدا ہوئے اور عہد عالمگیری میں 1102ھ/1691ء میں وفات پائی۔ راوی اور چناب کے سنگھم پر آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

برکت علی قریشی، مولوی 21 محلہ کرار خان (جالندھر) کی ایک باثر شخصیت، پروفیسر عنایت قریشی اور انور علی قریشی کے والد بزرگوار، اوّل الذکر انجینیرنگ کالج لاہور میں استاد ریاضی تھے۔ خود شہر کی ایک کواپریٹو بینک کے مینجر تھے جبکہ انور علی انور اردو کے اچھے شاعر تھے۔ وقت کے مشہور رسائل و جرائد میں چھپتے رہے ہیں۔

بہاولپور 8 پنجاب کی سب سے بڑی مسلمان ریاست، جس کے حکمران عباسی کہلاتے ہیں۔ رقبہ 17494 مربع میل اور آبادی 1341209 (1941ء) چاچڑاں، مٹھن کوٹ، چشتیاں، حاصل پور، رحیم یار خان، بہاول نگر اس کے چند ایک مشہور شہر ہیں۔ بہاولپور صدر مقام ہے۔ علاقہ زیادہ تر ریگستانی ہے اور راجپوتانہ کے صحراؤں سے جڑا ہوا ہے۔

بھشام 14 ضلع ہگرام کا ایک قصبہ، مانسہرہ سے آگے شاہراہ ابریشم پر ایک مشہور تجارتی مقام، آبادی زیادہ تر ہندو اور بدھ ہے۔ پشتو زبان بولتے ہیں، ریاست سوات اس کے شمال مغرب میں واقع ہے۔

جالندھر 21 ر۔ک، آفتاب شوالک نمبر۳، ص 36

جماعت علی شاہ محدث، سیّد 16،15 امیر ملت، سلسلۂ نقشبندیہ کی عظیم روحانی شخصیت، حضرت فقیر محمد چوراہی (اٹک) کے مرید اور خلیفہ، ہندوستان

کی تقریباً تمام اہم دینی اور سیاسی تحریکوں میں قائدانہ شرکت کی۔ پیرانہ سالی میں
بھی تحریک پاکستان میں جوانوں سے بڑھ کر فعال نظر آئے۔ ۱۸۴۱ء میں علی پور
(سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے اور ۱۹۵۱ء میں عازم آخرت ہوئے۔ مزار پر انوار
علی پور سیداں میں ہی ہے۔

جموں 15، 16 ر۔ک، آفتاب شوالک ۳، ص ۳۸

خلجیاں 8 دوسوہہ (ہوشیار پور) میں دریائے بیاس کی بائیں جانب
میانی افغاناں کے پاس ایک مشہور قصبہ جس کو مقامی لہجہ میں غلزیاں کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

دوسوہہ 7، 8 ر۔ک آفتاب شوالک ۳، ص ۳۶

دولت علی، مولوی 9 ر۔ک آفتاب شوالک ۲، دیباچہ

دیدار علی الوری، مولوی 16 لاہور کی مشہور دینی شخصیت، حزب الاحناف
لاہور (۱۹۲۵ء) کے بانی، سید ابوالحسنات قادری خطیب وزیر خاں مسجد اور
ابوالبرکات سید احمد مہتمم حزب الاحناف ان کے فرزندان جلیل تھے۔ سلسلۂ
نقشبندیہ میں مولانا گنج مراد آبادی کے مرید اور خلیفہ 1856ء۔ میں الور میں
پیدا ہوئے اور 1935ء میں لاہور میں راہی ملک بقا ہوئے۔

ڈلہوزی 4 ضلع گورداس پور کا ایک مشہور پہاڑی مقام جو ہندوستان
کے گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی کے نام سے منسوب ہے۔ لاہور سے ۱۴۰ میل شمال
مشرق کی سمت واقع ہے۔ آبادی ۱۰۳۰ (۱۹۴۱ء) بلندی ۷۷۰۰ فٹ۔

راولپنڈی 14 لاہور سے پشاور جاتے ہوئے ریلوے کا آخری بڑا جنکشن۔ انگریزی
عہد میں ہندوستان کا سب سے بڑا فوجی مقام تھا۔ شمالی ہند کی افواج کا ہیڈ کوارٹر۔

پشاور ۹۰ میل پر ہے۔ آبادی ۱۸۱۱۶۹ (۱۹۴۱ء) لذت آشنائی ص ۴۵ بھی دیکھو

مداس 15 ر۔ک آفتاب شوالک ۳، ص ۳۷

سری نگر 5،4 ریاست کشمیر کی راجدھانی، دریائے جہلم پر لاہور سے ۱۸۰ میل دور، بلندی ۵۲۵۰ فٹ، آبادی ۲۰۷،۷۸۷ (۱۹۴۱ء) صنعتی شہر، قدرتی حسن کی دیوی، شمال مشرق میں جھیل ڈل اس کی مشہور سیر گاہ ہے۔

شبیر احمد عثمانی، مولانا 22 بجنور میں ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ شیخ الہند کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ۱۹۰۸ء میں دیوبند سے فارغ ہوئے۔ دیوبند اور پھر مدرسہ فتح پوری دہلی میں پڑھایا۔ ۱۹۳۰ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) چلے گئے۔ ۱۹۳۶ء میں دیوبند کے صدر مہتمم مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۵ء تک جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ کے زبردست رکن رہے پھر نہ جانے جی میں کیا آئی اپنا سارا وزن تحریک پاکستان میں ڈال دیا۔ خطابت خاص وصف تھا جو حکیمانہ اور متکلمانہ انداز لئے ہوئے تھی۔ (کراچی میں مزار) واصل بحق ہوئے ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء

صدیق اکبرؓ 8 خلیفۃ الرسول ﷺ

عبدالعزیز، حاجی 20،19،18

حاجی عبدالعزیز 1947ء میں جالندھر سے اٹک ہجرت کرنے والے ایک خاندان کے سربراہ تھے۔ وہ 1870ء سے کچھ قبل پیدا ہوئے۔ ان کی زندگی کا خاصہ حصہ ہوشیار پور میں گزرا۔ وہ جالندھر چھاؤنی کے مولانا حمید الدینؒ (خلیفہ پیر مہر علی شاہؒ) کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ بڑی متدین، کشادہ دست اور متواضع شخصیت کے مالک تھے۔ اٹک کی جامع حنفیہ کی تشکیل و تعمیر میں انھوں نے بنیادی کردار ادا کیا۔ علماء حق کے بہت قدر شناس

تھے۔مولانا انوار الحق ظہر سے عصر اور کبھی مغرب تک کا وقت انھی کے پاس دکان (واقع اردو بازار) پر گزارا کرتے تھے۔بڑھاپے میں شوگر اور بلڈ پریشر نے دبا رکھا تھا۔آخری ایام میں پنڈی کے کسی ہومیو پیتھ ڈاکٹر کے زیرِ علاج تھے جو کافی نافع تھا مگر شومیِ قسمت کسی کے کہنے پر 26 اکتوبر بمطابق 7 رمضان کو ایلو پیتھی کی دوا کھالی۔حالات دگرگوں ہو گئے۔سنبھالے نہ سنبھلے۔اگلے روز سات بجے صبح پنڈی میں اس دنیا سے کوچ کر گئے۔مولانا انوار الحق ؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پرانے قبرستان میں سپردِ خاک کر دیئے گئے۔

عبدالحمید ثانی، سلطان ترکی 11 دورِ اقتدار (۱۹۲۲ء...۱۹۲۴ء) خلافت عثمانیہ کا آخری تاجدار۔

عبدالعزیز، سلطان [م۱۹۵۳ء] 12 سلطان عبد العزیز بن عبد الرحمٰن، آل سعود کا بڑا طاقتور شہزادہ، ریاض کی فتح اس کا عظیم کارنامہ ہے، ۱۹۲۴ء میں مکہ اور ۱۹۲۵ء میں مدینہ پر قابض ہوا، اپنے خاندان کی عظمتِ رفتہ کو آواز دے گیا، کھوئے ہوئے علاقوں پر دوبارہ تسلط کیا، حرم میں قبروں کا انہدام اسی کے عہدِ زریں میں ہوا۔

عبدالمعبود، سیّد 10تا13 ر۔ک لذتِ آشنائی ا،ص ۳۸ ذکرِ پاکاں، ص ۱۰۰۔شہاب نامہ

علی پور سیّداں 16 سیالکوٹ کا مشہور قصبہ، سلسلۂ نقشبندیہ کا عظیم مرکز، امیرِ ملت کا وطن۔

غلام رسول 8 ایک راہِ حق کا مسافر۔

غلام محمد گھوٹوی، مولانا 12 ضلع گجرات میں ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے،

مختلف جگہوں پر علوم ظاہری میں کسب کمال کیا۔ پھر پیر مہر علی گولڑوی کے حلقۂ غلامی میں آئے۔ ۲۰ سال گھوٹہ میں درس دیا اور پھر جامعہ عباسیہ کے شیخ الجامعہ مقرر ہوئے اور اس مسند پر بھی ۲۰ سال تک فائز رہے۔ جید عالم دین، منطقی، متکلم اور مناظر تھے۔ ۹ مارچ ۱۹۴۸ء کو وصال ہوا اور بہاولپور میں مدفون ہوئے۔

غلام محی الدین خان 21 ر۔ک، لذت آشنائی، ص ۴۱

غلام نبی، ملک 13 اسلام آباد میں مقیم، سید عبد المعبود کے میزبان، اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

فیضی، ابوالفیض [م ۱۰۰۴ھ] 12 اکبر بادشاہ کے نورتن سے تھے ملک الشعرا تھے۔ ملا محمد مبارک ناگوری کے فرزند، ابوالفضل (وزیر اعظم) کے بڑے بھائی، قرآن کریم کی بے نقط تفسیر سواطع الالہام کے مصنف، م ۱۰۰۴ھ، مدفن اکبر آباد۔

وادی کاغان 14 علاقۂ کوہستان میں سیاحوں کے لئے جنت نظیر وادی ہے، سیف الملوک کی مشہور جھیل اسی میں واقع ہے۔

کرار خان، محلّہ، جالندھر 21 جالندھر شہر کا قدیم مشہور محلّہ، مسلمان آبادی، ریلوے روڈ، ریلوے لائن اور جرنیلی سڑک نے گھیرا ہوا تھا۔ نیلے محل، اسلامیہ ہائی سکول، ڈی اے وی ہائی سکول، حویلی امیر خان، ہری تاکیز اور ستیلا مندر اس کے مشہور مقامات ہیں۔

کیمبلپور (اٹک) 17 ضلع کا صدر مقام، آرٹلری سنٹر، لاہور سے پشاور جاتے ہوئے پنجاب کا آخری ریلوے جنکشن۔ اکبر کا تعمیر کردہ قلعہ، مزار اٹکی، دریائے کابل اور سندھ کا سنگھم۔ باغ نیلاب، کالا چٹا پہاڑ، واہ گارڈن، حسن ابدال اور آستانہ مولانا محمد علیؒ مکھڈی۔ اس کے چند پر فضا مقامات ہیں۔

گلگت 11 کشمیر کے شمال مغرب میں ہمالیہ میں ۳۱۱۸ مربع میل رقبہ،۳۱۹۰۲ آبادی (۱۹۴۱ء)۔اسی نام کا دریا اور اس پر گلگت کا شہر آباد ہے۔ بلندی ۴۸۹۰ فٹ،کبھی بدھوں کا مرکز تھا۔کشمیر سے چترال جانے والی شاہراہ پر اہم مقام۔

محمد اکبر،نواب زادہ 5 تعین نہیں ہوسکی۔غالباً بیسویں صدی کے شروع میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کیا ہوگا۔

محمدی بیگم 20 مرزا قادیانی کی مفروضہ بیوی جو اس کے کبھی ہاتھ نہ آسکی۔

مراد پور گادراں 7 تحصیل دسوہہ کا ایک گاؤں۔

مرزا قادیانی [م ۱۹۰۸ء] 20 غلام احمد،قادیان (گورداس پور) مولد و مدفن، بدنام زمانہ،رسوائے دہر،فتنہ پرور،ہنگامہ آرا شخص۔

مری 17 پنڈی کے شمال میں مشہور صحت افزا پہاڑی مقام جہاں پنجاب اور صوبہ سرحد کی حدیں ملتی ہیں۔

مظہر الدین حافظ 16،15 علامہ سنکوہی کے فرزند،تفصیل کے لئے دیکھئے: ذکر پاکاں ص ۲۱۱/نور و نار،(دیباچہ)

مکیریاں 7 جالندھر سے شمال کو جانے والی ریلوے لائن کا آخری سٹیشن،مشہور قصبہ راجپوتوں کا بڑا مرکز۔

میانی افغاناں 8 دریائے بیاس کے بائیں کنارے،ٹانڈہ اڑمڑ سے چار میل دور مغرب میں افغانوں کا مشہور تاریخی قصبہ،نزدیک ہی مولوی غلام رسول عالم پوری کی بستی ہے،حبیب جالب کا آبائی وطن۔

میراں کدل لال پل (سری نگر) 5 مشہور بارونق اور مرکزی جگہ نزدیک ہی چناب کا پل ہے، رشید احمد نے اس کو امیرا کدل لکھا ہے۔ امیرا کدل میں بازار لگتا ہے۔
دیکھو تمنا بے تاب ص ۲۲

میکش رک، لذت آشنائی ا ص ۴۳

میلسی 10 ضلع ملتان میں مشہور قصبہ

ولی محمد، مولانا، جالندھری 19
رک، ذکر پاکاں ص ۱۳۴/ شمیم جالندھر، ص ۲۴۲۔

ہنزہ 14 گلگت کا قصبہ، روس سے ملا ہوا، انگریزوں کے قبضہ میں تھا اہم سیاسی نوعیت کا مقام، اسی نام کے دریا پر واقع ہے۔ ڈرد نسل کے لوگ آباد ہیں۔ ۸ ہزار فٹ بلندی کا درّہ بھی جو وادی ہنزہ (قراقرم کے پہاڑوں) سے پامیر اور چینی ترکستان کو راستہ دیتا ہے۔

ہوشیار پور 22-20،17،8،7 رک، آفتاب شوالک ۳، ص ۴۰

.......※※※........

غلام نرگس مست تو تاجدار نند
خراب بادۂ لعل تو ہوشیار انند

(حافظ)